

آواز کی رمزکوں کر بیان کروں اے فرزند ولبند جب جمادی راہ تو اب طے ہو چکی اور خنجر
قاتل کا گلوتے مبارک پر بھر جپا تو اس باوفا نے اپنے گردوں وقار را کب کے پاک لمو
میں منہ ملا اور خجھے پر جا کر غم آلو د آواز میں ہنہنا بیا۔ عالم کی شہزادی یے تباہہ درخیلہ پر آئی
اور مرکب کو بے راکب پایا اور خون اس کے منہ پر مlad بکھا تو فرطاطم سے زلیفیں کھوں دین
اور بائھتوں کی جوڑیاں توڑ دیں۔ بچھر سے اپنے والی کی وصیت یاد آئی اور بسہ پوش ہو منہ
پہ نقاہ ڈال نوحہ بلب اس مرکب پہ سوارہ ہو گئی۔ وہ مرکب دہاں سے چلا اور جنگلوں میں
نکل گیا۔ راویوں نے قیاس کے گھوڑے بہت دوڑ لئے ہیں اور موڑخون کا رہوا ر قلم بہت
روای ہوا ہے پر اس مرکب کی راہ و منزل اب تک ایک راز سربراہ ہے۔

اے جان پدر اس مرکب کی راہ و منزل کا سراغ اب یکون کمر ملے اور ان سہوں کی تحریر اب
کس طور پر ٹھی جائے کہ وہ جنگل کرت گئے۔ وہ میدان بستیوں سے بیٹھ گئے اور سہوں کی تحریر
مست گئی۔ اس القاب پر جرانی کیوں ہو کہ زمانے کا طور یہی ہے۔ جنگل کٹتے ہیں شہر بستے ہیں
شہرا جڑتے ہیں جنگل بنتے ہیں، جو بستیاں ویران ہو گئیں انہیں سب روئے ہیں گزر ہر جان
جنگلوں کو بھی تو یاد کرو جنہیں بستیوں نے ویران کر دیا۔ اس قطعہ ارض کے وہ بلند و بالا
شجر کہ ہر شجر ایک شہر ہتا ایک کوچہ اور سہ رکلی ایک کلی تھی کہاں گئے۔ اے جان پدر
میرے پدر نے کہ اپنے وقت کا بڑا ارزگ اور عجیب دان عالم تھا جسے خبر دی ہے کہ
ہمارے شہر سے دور کا نے کو سو ایک گھنی بنی ہے، عجائب مخلوقات کی چھاؤنی ہے
حد نظر تک درخت، ہر درخت ایک شخصیت ہر شاخ ایک ذات ان شخصیتوں میں ایک
شخصیت سب سے الگ ہے، ایک بلند و بالا شجر انبہ کوئی نہیں جانتا کہ اسے کس نے لکھا یا
اور کس نے پانی دیا جب جریئی سڑک ہنپس بنی تھی اور شیر شاہ سوری نے اشجار کو فرمانزدہ
نہیں کیا تھا تب سے وہ اپنی جگ پر کھڑا ہے اور آسمان کے بدلتے زنگ اور زمین کے
بگڑتے ڈھنگ دیکھتا ہے، ہر درخت ماضی اور مستقبل کے ڈانڈے ملاتا ہے اور جنوب

کو شمال سے جوڑتا ہے۔

انہب قلم عصمه اور اراق تاریخ میں یوں بغاں ہوا ہے اور راولیوں نے یوں رقم کیا ہے کہ جب حیدر علی مسافر صحرائے اندوہ صراحتا پھرتا تھا تو ایک روز اسی سفر بے منزل میں اس کا گزر ایک جنگل جنگل خاک چھانتا پھرتا تھا تو ایک روز اسی سفر بے منزل میں اس کا گزر ایک نواح دلکشا میں ہوا۔ دیکھا ایک چشمہ مانند چشمہ رجوان بنتا ہے کنارے پہ بہر سے نزگ جایا ہے۔ درختوں کا سایہ ہے۔ مظہدی ہوا جلتی ہے۔ بھولوں کی خوبصورتی ہے۔ حیدر علی نے کہ کئی روزوں کا تھکا ماندہ اور بھوکا پیاسا تھا۔ آب خنک کو آب جیات اور شیر مھلوں کو حبنت کا میسوہ جانا کچے پکے بھل توڑ کر کھائے، بانی پیا، منہ پاٹھو چوپا اور پاس ہی ایک آم کے پرڈ کے نیچے پڑا رہا۔ اذ بسکر کئی دلوں کا نھکا اور کئی راؤں کا جا گام تھا لیستہ، ہی نیند اگی۔ وہ نیند عجب نہی کہ یام بیداری لائی۔ خواب کیا کہ ایک بزر پوش سوار ہے، ماٹھے میں شمشیر آمدار چھر سے پہ نقاب ہر چند کہ نقاب پڑا ہے، چھر سے کافر چکلتا ہے جلال پیکتا ہے فرماتے میں کہ حیدر علی اُجھٹھوڑا بتا رہے، ناد علی پڑھہڑ بردا کر کا نکھ کھولی تو دیکھا کہ قریب ہری ہری دوب پر ایک دھوپ سا گھوڑا برڈے سمجھ سے چرتا پھرتا ہے۔ زنگ سفید براق بالا قد، بلند گردن، گول گول سم ایال پری کے بال، دم رو پہلی چنور، پا راسی تڑپتی رانیں پھر کتے نہتے، دھوپ سی چکنی جلد، حیدر علی نے خواب کو بشارت جانا۔ لڑکہ کر گھوڑے کو کیڑا۔ ناد علی پڑھ کر ننگی پیٹھ پہ سوار ہو گھوڑے کو چکارا۔ سمجھ کرنے پنجی کا اثر کیا۔ رہوار صبا رفتار نے پھر بیداری لی۔ سوار کی راؤں کے درمیان تڑپا، اور سبز سے کو رومند تا بھولوں کو پھانڈتا تیر کی طرح چلا کہ طارے بھرنے لگا۔

کہتے ہیں کہ حیدر علی نے عمر بھرا سی گھوڑے پہ سواری کی اور میدان پہ میدان مارے اور سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی۔ مرتبے وقت بیٹھے کو وصیت کی کہ فرزند دلیند، ہمارا وقت اگز ہوا۔ ہم سفر کرتے ہیں سلطنت خداداد تمہارے حوالے۔ اسے پھیلاو، جزوں کو شمال سے

اور راس کماری کو ہمال سے ملا وہ سب نے سب روز ملکت تمہیں سمجھا تھے اور خزانہ اُن سلطنت تمہارے پیر دکھئے۔ ان خزانوں میں سب سے بڑا خزانہ اور سب سے قیمتی امانت ہمارے اسپر دفادر صبار قیار کو جاننا اور روز ملکت میں سب سے گزی روز سمجھنا کہ وہ سلطنت خداداد کے لئے مانند گاؤں میں کے ہے۔ وہ بگڑا تو سمجھو کر سارا کھیل بگڑا اور سلطنت خداداد تمام ہوئی۔ جب کبھی از خود ہمننانے گئے تو جاننا کہ کوئی بڑا خطرہ سر پر آیا، انا دعلی پڑھنا اور سوارہ تو کر میدان کا کوچ کرنا کہ انشاء اللہ نظرت کو ہمراپا پاؤ گے اور ظفر پایاب پھر دے گے۔

حضرت ٹیپو سلطان شہید نے اس اسپر وفادار اور ہوار پر تمکین و وقار کو اپنی جان سے عزیز جانا اور ہر مرعر کے اس کی نیشت پر بڑا اور میدان مارا۔ آخری معزکہ میں عجیب گزری کہ حافظہ کی ذرا سی خطہ سے نشانہ خطا ہوا۔ روایت ہے کہ وہ وقت زوال کا تحالوں چلتی تھی، گرمی پڑتی تھی۔ آم کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں دستِ خوان بچھا تھا۔ اسے پسِ حضرت ٹیپو سلطان کو آم بہت مزعوب تھے اور آم کے پیڑوں کی چھاؤں بہت محبوب تھی۔ قلعہ کے باغ میں بہت آم تھا۔ قلمرو ہند کے ہر قطعہ ہر زمین سے فلم منگوائی گئی تھی اور اس لوگوں باغ میں آلات کی گئی تھی۔ میں دو روز ہوئے لگی تھی۔ ایسوں میں جالی پڑ گئی تھی۔ اسے بسکرموں کی فصل اس برس مندی ہوئی تھی۔ آندھیاں مسترد کہاں برس بہت چلیں اور آموں کی بھری گودیں خالی کر دیں۔ پر اس باغ کے پیڑوں کی بہت سی شاخیں ابھی ایسوں کے لوجھ سے جھکی تھیں اور کچی ایسوں کی ہمک سے بسی گھنی چھاؤں میں دستِ خوان بچھا تھا۔ الواح والوان کا حکانا اس پہ چھا تھا، امراؤ وزراء و حصار قطار در قطار بیٹھے تھے اور درمیان ان کے سلطان تشریف فرمائتے۔ طعام تناول کیا چاہتے تھے کہ اصلبل سے اسپر وفادار کے ہمننانے کی آذکان میں آئی۔ حضرت رک گئے رتامل کیا پھر نواہ توڑا۔ لفہ قاب میں تھا کہ ایک بڑا سا ہر اہل پشا ڈال سے ٹوٹ کر قاب میں یوں گرا جیسے تیورانے پاہی کی ڈھال زمین پر گرتی ہے لفہ جہاں کا تھاں رہ گیا۔ اس آسمان وقار نے کمال وقار و تحمل سے نظر اٹھا دخالت کی

طرف دیکھا۔ ابھی درخت کو دیکھتے تھے کہ اسپِ وفادار پھر ہنہنا یا اس تنہی سے کہ سارا قلعہ گونج گیا اور طاپوں سے زمین ہل کی۔ مٹکر نظر کی، دیکھا کہ اسپِ وفادار اس طبل سے رستراً انکل آیا ہے۔ اور اسی نظر میں دیکھا کہ خبر رسال سورچے کی سمت سے دوڑتا آتا ہے۔ سراسیدہ، باحال پر شیان مورب صدراوی «سلطان کا اقبال بلند ہو۔ غفا رو فادار مارا گیا۔ فوج فرنگ فضیل پر چڑھ آئی۔»

وہ فلک جناب یہ خبر سن جلال میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ فرمایا گھوڑا کسو۔ ہما ری جنگ کا ہنگام آگیا۔ پھر امراء و وزراء کو اس غصب سے دیکھا کہ ان کے چھروں کے دنگ فنی ہو گئے۔ عینظ میں شمشیر نیام سے نکالی اور نیام کو توڑ ڈالا اور قدم رکاب میں رکھا۔ جبکہ ہوا کہ سلطان جمال اور عجلت میں ناد علی کا ورد بھولا۔ اب گھوڑے کو ایڑ دیتے ہیں تو وہ ایڑ یاں گھستا ہے۔ دولتیاں مارتا ہے پر آگے نہیں بڑھتا۔ سلطان کو اس وقت عجب ہر اس ہوا سوتے فلک نگاہ کی، پھر گھوڑے پر نظر کی اور گوبایا ہوئے کہ «اے اسپِ وفادار، میرے ہمد م، میرے اخی، کیا تیرا جذبہ وفا بھی سرد ہوا چاہنا ہے؟» اس فقرے نے اثر دکھایا۔ گھوڑے نے زمین پر طاپیں ماریں اور تیر کی طرح زن سے فضیل کی سمت چلا۔ پر اسپِ وفادار کی وفادتے تلافی نہ ہو سکی۔ سلطان جب گھوڑے سے زمین پر تنفس لائے اس دم انہیں اپنی بھول کا خیال آیا۔ مگر تیر مکان سے نکل چکا تھا۔

اے پسر عزیز، نگارندگان ناز بخ کا ائمہ قلم سلطان کی شہادت کے تذکرے میں خوب جو لانی دکھاتا ہے، پران کے گھوڑے کے ذکر پر ٹھیک جاتا ہے مگر رہوار تنجیل کو کس نے بآگ دی ہے اور دل و دماغ میں اتری ہوئی تصویر کو کس نے مٹایا ہے۔ بزرگوں سے پہروا بہت سیدنا سیدنا چلی آتی ہے اور سچائی کی آپ بخ بن کر سینوں میں دیکھتی ہے کہ جب سلطان مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے تو اسپِ وفادار نے خون مبارک میں اپنا منہ ملا اور شہادت گاہ سے نکل گیا۔ خدا گاہ آخوند سے نکلا ہوا پہ مشارہ مقفل سے جنگلوں کی سمت نکل

گیا اور شعلہ جوالہ بن کر مجھڑ کئے رکار

ساختیہ ہوا کہ ایک غدار وزیر نے گھوڑے کو مغل سے نکلتے دیکھ لیا از بسکہ وہ اس گھوڑے کے اعجاز سے دافعت تھا، فرنگی آفاؤں کو خبر پہنچائی کہ غضبہ مواسطان کا گھوڑا انھل گیا۔ ٹپو کی شہادت کی خبر اب اُجھے بننے کی اور بستی بستی پھیلے گی جس جوان مرد نے جرات دکھانی اور گھوڑے کی بیشتر پہنچائی پہنچائی ہے اسے جان پدر پہنچائی اس معکرہ میں آخری سازش تھی۔ میں نے اپنے پدر سے اور پدر نے وقت کے لئے راویوں سے سن لی ہے کہ رونخ اس بہ وفادار کا درہ خبر کی سمت تھا۔ جب وہ درہ خبر پہنچتا تو جنوب سے شمال تک اور مغرب سے مشرق تک ہنگامہ بیباہوتا پر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

فوج فرنگ تعاقب میں بھی اور فرس عبار فقار فراٹے بھرتا تھام فاصلے گرد کی مانند اٹھے جاتے تھے۔ طاپوں کی دھمک سماں اسک پیغام بھی۔ اس نک و پو میں ہلہماقی کھیتیاں بہت پامال ہوئیں اور بہت جنگل رومندے کئے اس عبار قدم رہوار کی خوب چشم بھی کہ گاہ پری کی مثال اپنا جمال دکھاتا اور پہ نفاست سے چلتا کراہ میں پڑا تباش اور سموں میں آیا امداد ان بھوٹسا، گاہ یہ سر پٹ دوڑتا کہ چنانوں سے چنگاریاں اڑتیں اور سمندروں کا پانی اچھل جاتا۔ بہ آوارہ دشت غربت جب دوڑتے دوڑتے قریب اس بستی کے اس مقام پر آیا اور اس جنگل سے گزر اتو درمیان میں آم کا ایک گھن پڑا۔ اس پری کی مہک عجیب بھی کہ گھوڑا ٹھیک گیا۔ اسے جان پدر جانا جاتا ہے کہ جس درخت کے سلے میں سلطان نے آخری لمحہ توڑا وہ اسی بزرگ درخت کی قلم بھی سائی میں اس کے گھوڑے سے نہ دم لیا۔ ایک فرنگی بند و قبی غصب کا نشاپنجی گھات میں تھا۔ اس نے نشانہ باندھا اور ٹمچھہ چلا دیا۔

جب فوج اعداء فرب آئی تو دیکھا کہ پری کے نیچے تازہ خون پڑا ہے پر گھوڑا غائب ہے جنگل کو تلپٹ کر ڈالا، میدان سارا چھان مارا، کبیں سراغ اس کا نہ ملا۔ گھوڑا انہی سے غائب ہے۔ اللہ عالم حاضر و غائب ہے۔ کائنات کا نشانہ عجائب ہے۔ بہاں کی ہر شے عجیب ہر واقعہ

غیرب دیکھی چیزیں ان دیکھی بن جاتی ہیں ختنیں افسانوں کا روپ دھار لیتی ہیں میرے پدر نے مجھے جزدی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ مرکب کہ مثل آوارہ خوبصورتے قرار روح کے جنگلوں میں بھٹکتا ہے اس شہر کی راہ سے گزرے گا۔ تب اس کی ٹالپوں کی آواز شہر پر جیط ہو گی اور بہت بڑا رن پڑے گا۔ نویزے بانی پر طمعے گا۔

پدر بزرگوار خاموش ہو گئے میں دیر گھٹنے پہ ٹھوڑی رکھے ساکت بیٹھا رہا اور خیالات میں غلطائی رہا۔ پھر میں نے جھر جھری لی اور عرض کی کہ اے پدر بزرگوار آپ نے ٹپو سلطان کے ٹھوڑے کی حکایت سنائی۔ پیر یہ نہ بتایا کہ وہ مثل خوبصوریوں آوارہ اور بے قرار پھرنا ہے۔“ پدر بزرگوار نے فرمایا“ اے پدر اس مرکب کی پشت اپنے راکب کو پکارتی ہے جب وہ راکب پیدا ہو گا اور اس پرسوار ہورن میں جلتے گا۔ تب اس پاکیزہ روح کو قرار آئے گا۔“ میں نے عرض کی کہ“ اے پدر اس تک رسائی کا کیا طریقہ اور اس کی سواری کی کیا شرط ہے؟“ پدر نے جواب دیا“ اے پسر میں نے اپنے پدر سے سنائے ہے کہ جو نجم باز قسمت آزماس جنگل کا پتہ رکھائے گا اور اس بزرگ درخت تک پہنچے گا وہ اس مرکب کو اس کے گھنے سلے میں کا محظی رکاب سے درست جھر جھری لیتا ہے نہماں پاٹے گا۔“ میں نے استفسار کیا کہ“ اس جنگل تک پہنچنے کا کیا طریقہ اور اس درخت کو پانے کا کیا ویلے ہے؟“

فرمایا“ جان پدر، بے جنگل انسانی نظر سے گم ہے۔ صرف ٹپو اس کا نشان جلتے ہیں اور اس درخت کی شاخ پر بیٹا طاڑا ہر آفت ہر بلاد سے غفوڑا رہتا ہے۔ طوبیاں خوش المahan کہ تعلق قدیم آم کے پیر طے سے رکھتے ہیں پہلے اس درخت کا طواف کرتے ہیں، تب دوسرا درخون پر اترتے ہیں میرے پدر نے مجھے جزدی ہے کہ جو قسمت آزمائے ہو صدر کو سہارا اور طو طی خوش لمح کو رہنا بنائے گا۔ بمنزلہ پہنچے گا۔ مرکب کا راکب بن گمشدہ منزلوں کا سراغ پائے گا اور فتح کا ڈنکا بجاۓ گا۔“

صاجو اس حکایت عزیب نے تجھ پر یہ اثر لیا کہ فیند رات کی آنکھوں سے رخصت ہوئی۔ وہ رات بے آرامی میں کٹی۔ کئی مرتبہ آنکھ لگی اور اپ، یہ آپ کھل کر جب بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ نماز کی چوکی پر شمعدان روشن ہے۔ مناجات کی کتاب سامنے کھلی ہے، والدہ حضرت مثل بید کا نیتی ہیں اور رفت بھری آواز میں ورد کرتی ہیں۔ یا عین یا ایلیا یا بو الحسن یا بو تراب، اور والدی پنج محن میں عصا ڈیکے کھڑے ہیں اور دمدم بدلتے آسمان کو تکتے ہیں آج وہ پھر جھر سے باہر نکل آئے تھے والدہ حضرت کی رفت بھری آواز یا علی یا ایلیا یا بو الحسن یا بو تراب عجب تھی فیند اس آواز سے کئی بار اچھی پچھروہی آواز عنودگی بن گئی۔ صبح کے ہوں میں آنکھ لگی تھی کہ کسی نے بازو پکڑا کر ہلا یا۔ آنکھ کھولی تو دیکھا والدہ حضرت سر بلے کھڑے ہیں اور بازو ہلا کر فرماتے ہیں ”بیٹا امکھو صبح کا تارا چمکتا ہے۔ اذان ہوتی ہے۔“

میں اُٹھ بیٹھا دیکھا کہ والدہ حضرت نے سر پر سفید عمامہ باندھ رکھا ہے۔ دوش پر قبا پڑی ہے، کمر میں سر زپکا بندھا ہے۔ بڑھ کر تجھے چھاتی سے لگایا۔ شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے محسوس کیا کہ جسہ مبارک سر سے پہر تک کاپتا ہے اور آواز میں رفت کی بلکی کیفیت ہے۔ فرمائے لگے ”بیٹا ہم فریضہ سحری ادا کرنے جاتے ہیں گھر سے خبردار رہنا،“ میں کچھ نہ سمجھا۔ سکنے کے عالم میں سب کچھ دیکھا رہا۔ وہ جناب جب چلنے لگے تب ہوش آیا اور جب ہوش آیا اور جھر بھری تی تو وہ قدم باہر نکل پکے تھے دروازے کی کنٹی کھلی اور پھر کنٹی کھلنے اور دروازہ بند ہونے کی آواز گلی میں گو سجنی ٹاپوں کی آواز میں گم ہو گئی۔

میں حیران بستر سے اٹھا۔ سیدھا والدہ حضرت کے جھر سے کی سمت چلا۔ جھر کھولا، دیکھا کہ شمشیر جو شب بھر رہنے جناب کے دوبر کھی رہی تھی فائز ہے۔ میں جھر سے سکل سیدھا زینے پر چڑھ گیا۔ آسمان کی سیاہی دھل چلی تھی۔ ستاروں کا قافلہ پھر گیا تھا کوئی

کوئی ستارہ آوارہ آوارہ دشتِ فلک میں بھکتا تھا۔ اونچی چھتیں اور مینار اور گنبد ابھی تک سیاہی میں غرق تھے۔ ان چھتوں اور میناروں سے پچھے کمیں دور تو پس گرج رہی تھیں۔ اور آسمان کا کنارہ سورخ مُرخ لگتا تھا۔ دیکھتے بالا قدم کرب بے راکب کا تصور نکھوں میں بندھنے لگا اور ٹاپلوں کی آواز خون کی دھار بن کر رگوں میں گرجنے لگی۔ میرا جسم دکنے کا ایک جنون کے عالم میں بیچے اترنا۔ والدہ حضرت پر نظر کی کرام میں ہیں۔ نماز کی چوکی پر جانماز بھی ہے۔ گر کو نہ اس کا اللہ ہوا ہے اور شمعدان بجھا پڑا ہے۔ صحن میں ابھی اندر ہمرا تھا۔ بس دیواروں کے اوپری حصے اور مندپوں میں اجل گئی تھیں۔ صحن خاموش تھا۔ ملاں کبوتروں کی کاپکوں کے اندر بجھنیوں کا زمزمر گونجنا تھا اور گلکنے کی آوازیں مثل جوئے طباشیر کا بک کے پردوں کو توڑ کر فضا میں بہر رہی تھیں۔ میں نے اس صحن کو ان زمزموں سے بیرون کا بک کو، والدہ حضرت کو کہ ہنوز کرام میں تھیں ایک نظر دیکھا اور بے نہاد رہا دروازہ کھول باہر نکل گیا۔

دوستوں میں وہ مارچ کا تھا۔ ماہ مارچ کوچ کرتا تھا اور راتیں چھوٹی دن بھی ہوتے جاتے تھے۔ آموں کی ٹینیاں ہوں کے شیریں بو جھ سے جھک گئی تھیں اور بھومنز سے ہوں کے گھپھوں بہر آن منڈلاتے تھے۔ اب تڑ کا تھا اور ایک شاپرڑیا دھند کے میں غرق منڈپروں پر آزاداً پحمد کتی بھسرتی ہتھی۔ ہوا کم کم چلتی تھی ہوں کی بھینی بھینی خونپسو فضا میں تیرتی تھی۔ بازار بھی بند نہ تھے اور گلیوں میں آمد و فت شروع نہیں ہوئی تھی۔ کہیں دور سے توپ کے گرجنے کی آواز بدستور آئے جاتی تھی۔

میں دیر گلیوں اور بازاروں میں گھومتا رہ۔ دن اب چڑھ رہا تھا پر بازاری ہڑ بند تھے۔ گلزار محلے بیان، خوشبو راہیں ویران۔ در پیچے بند دروازے مغلل۔ چوک بہماں کھوے سے کھوا چلتا تھا اور تڑ کے سے رات گئے تک کٹورا۔ بجتا تھا سنسان تھا۔ سارا شہر بجا بیس بھا بیس کرتا تھا۔ میں اکیلا چلتا تھا اور اپنی آہست پہ آپ چونکتا تھا۔ ناگاہ

دور ایک سمت سے علم بزرائیک چلکتا ہوا نمودار ہوا۔ علم کی صنو سے آنکھ جھپک گئی۔ علم کے بعد علامہ پر نظر گئی کیا دیکھتا ہوں کہ ناقہ پہ سوار ایک مرد غازی چلا آتا ہے۔ ایک ہاتھ میں علم بزردوسرے میں نیزہ علم کئے ہوئے بازو غلاف سے اگلی شمشیروں کی طرح آتیں ہوں سے ابلے ہوئے، سر پہ سفید عمامہ، دوش پہ بزر عبا، منہ پہ سیاہ نقاہ۔ یہ کایک ناقہ محظی گیا۔ ناقہ سوار نے علم کو بلند کیا اور نیزے کو جلبش دی۔ پھر البسی گر جباراً واژ بیس نفرہ مارا کہ درود بوار ہل گئے اور پکارا کہ «اسے گردہ مردم خبردار ہو کہ ایک بڑا اسیلا ب تھمارے حزاں آباد پہا منڈا ہے اور محلات و مساجد و مقابر کو بسان حسن بھالے جانا جا ہتا ہے۔ اسے لوگو خذل کے گھروں کی بے حرمتی ہوئی۔ آسمانوں کے برجوں میں خلدت چھا گئی۔ آفتاں پہ کا لک پت گئی۔ دن میں شب کی سیاہی کا سماء پیدا ہوا۔ اسے لوگو آج نقد جاں کی قیمت گر گئی اور موت کی قیمت چڑھ گئی۔ بخدا آج زندگی بکھری کی چھینک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور موت پیشہ مادر سے زیادہ نیزہ میں ہو گئی خبردار ہو اسے لوگو کہ تم پر بہت بڑی آزمائش کا وقت آیا ہے۔ دن بولتا ہے اور تھمارے مرکبوں کو پکارتا ہے۔ تھمارے مرکب تھانوں پہ تڑپتے ہیں اور ان کی پیشی را کبوں کہ لٹھے ہے کل ہوئی ہیں۔»

اس خطبہ کا عجب اثر دیکھا کہ سنان را ہیں قدموں کے سورے گوئی نہ لگیں اور اندر سے بند دروازے دھاڑ دھاڑ کھلنے لگے۔ جوانانِ صفت سکن بیٹھے تڑپنے لگے، سروں پر عماء رکھے، اکر سے ٹپکے باندھے، ہاتھوں میں ننگی تلواریں کوئی پا پیادہ کوئی گھوڑے پہ سوار گلی گلی سے نکلتے دکھائی دیے۔ دیکھتے دیکھتے ایک شکر ہو گیا۔ تب اس بزر دوش ناقہ سوار نے ایک جڑا و جنگر موییوں کا آویزہ رکا ہوا اکر سے زکال میرے آگے چھینکا اور نفرہ مارتا ہوا آگئے بڑھ دیا۔ وہ پورا شکر نفرہ زنان اس کے پیچھے چلا۔

دم کے دم میں وہ علم بزر، وہ ناقہ سوار، وہ شکر سب کچھ انکھوں سے او جمل ہو گیا اور بانار پھر بجا بیس بجا بیس کرنے لگا۔

یہیں سکنے کے عالم میں کھڑا تھا اور سوچتا تھا کہ یارب یہ آنا فانا کی خواب سا آیا اور چلا گیا
پھر ڈرتے ڈرتے ہیں نے وہ خجرا تھا بایکہ اس کے اٹھاتے ہی رگوں میں خون گر جئے لگا اور
کانوں میں مرکب بے راکب کی ٹاپلوں کی آواز گوئی بخنے لگی۔ یہی نے وہ جھڑا و خجرا کمر بیس لگایا
اور گھر کی طرف چلا۔ اسی خواب کی چکا چونداں لکھوں میں سماںی بختی اور رگوں میں خون گر جتا تھا۔
اور کانوں میں ٹاپلوں کی آواز دم بدم گوئی بختی بختی میں یہ سوچتا جاتا تھا کہ اب ذفت آگیا ہے کہ گھر
جل کر رہے کی رحمت یہیں اور رن کی طرف چلیں۔

جب میں اپنی گلی میں مر انور الاعالم دیکھا رسموں کے نازہ تازہ بہت سے نشان گویا
اس راہ سے کوئی لشکر گزر رہے، جا بجا شکستہ دواز سے، جالیاں و بیران، در تپے سنان؛ میں
حیران کہ دم کے دم میں یہ کیا ماجرا گزر رہا۔ ناگاہ کان میں ایک سر ایمہ طوٹے کی آواز پڑی بسانے
کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نخنا لاشہ خاک و خون میں غلطان پڑا ہے۔ گلاب رخسار کھلاسے
ہوئے ہیوں کی پکھڑاں مسلی ہوئی، کابل آنکھوں کا ادھر ادھر پھیلدا ہےوا، بھندوے باولوں کے
ہائے میں مانجا خاک سے اٹا ہوا، لگنے میں ہنسی، پھول بدن میں نشیمنی کرتا بھنجی ہوئی ممعٹی میں
بھجرا طوطا سر ایمہ پڑی طرح چلتا ہے اور بخربے میں پھر ٹاکتا ہے۔ گویا اپنے ننھے ماںک کا
حال جانتا ہے۔ میں عزیزانِ گرامی بہ ستارہ ایسا لاشہ اسی مد نقا کے مکن برادر کا تھا جس
کی صورت ہماری فضائی قلب میں ستارہ بن کر چکنی بختی میں سمجھا کہ مقرر اس گھر پر کوئی
بلائے ناگہانی لٹوئی میں نے پنجربے کی کھڑکی کھولی کر کھلتے ہی اس کے وہ طامرش طاڑ روح
کے اس نفس سے پرواز کر گیا۔ پھر میں قدم مارتا جویلی پہ پہنچا۔ ڈیور حی خالی پڑی بختی، پچھلک
پھر پڑ کھلانہما، مطب بند تھا لگر پھربھی بخسے باورہ آیا اور قبلہ حکیم صاحب، قبلہ حکیم صاحب
کر کے بہت پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اونچی کنگنی سے جنگلی کبوتروں کا ایک جوڑا پھڑ پھڑ کر
نکلا اور پڑھپڑھتا ناڑ گیا۔ خانہ دولت خالی پڑا تھا۔ اندر باہر بھا میں بھا میں کرتا تھا۔ میری
پکار اس مبنی سقف وہاں میں بار بار لیوں گوئی گویا کوئی دوسرے عالم سے پکار کا جواب

پکار سے دیتا ہے۔ پس ادل دھنڑ دھنڑ کرنے رگا اور ڈیلوٹر ہی سے سرک گھر کی طرف ہو لیا۔
 گھر پہنچا تو یہاں بھی ویرانہ پایا۔ اندر باہر بہت ٹوٹا، بہت آوازیں دین کوئی جواب نہ ملا۔
 بھرہ بدستور بند تھا اور والدہ حضرت کی نماز کی چوکی پر جانماز بچھی بھتی، سجدہ گاہ فرینے سے بھی
 رکھی بھتی اور مناجات کی کتاب محلی رکھی بھتی کویا پا علی یا ایلیا یا بو الحسن یا بو تراپ پڑھتے پڑھتے
 امھٹی ہیں اور چلی گئی ہیں۔ گھر والاں اور کمرے اور صحن سب سنان۔ بیس کا بکوں کے اندر ایک
 اضطراب پر پا تھا، دو پر، موکھی بھتی اور کبوتر ابھنک نہیں کھلے تھے۔ میں نے برطاح کر کا لکیں
 کھول لیں اور کبوتر اندر سے اس اضطراب سے نکلے گویا قیدی خانہ زندگی سے نکلتے ہیں۔ دادا ڈالا
 نام دوں میں پانی بھرا اور بھر کبوتروں سے بھرے صحن پر آخری نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔
 گلی میں قدم رکھا تھا کہ ٹاپوں کا شور کان میں آیا۔ میں تیر کی طرح چلا ایک ڈیلوٹر ہی میں
 چھپ گیا۔ گھم گھم ایک گھٹ سوارہ رسالہ گلی میں داخل ہوا اور ہنگم حروش کرتا دوسرا راہ
 نکل گیا۔ میں ڈیلوٹر ہی سے باہر آیا تو ایک سوارہ سے دو چار ہوا کہ ذری تیچے رہ گیا۔ میں نے
 نام مولا علی کا لیا اور کمرے سے خنجر نکال چینک کر بارا کہ اس کی چھاتی میں جا کر چھپ گیا اور وہ
 یتورہ اکر گھوڑے سے گر پڑا۔ میں نے بھرت پٹ اس کے سلحہ آثار اپنے زیب نن کئے اور
 گھوڑے پر سوار ہوا پڑ دی۔

چلتے چلتے میں نے گلی کے درودیوار پر حضرت سے نظر کی اور مرٹ کر اپنے گھر اور اس
 حوالی پر نظر کی۔ وہ بام بلند بہت اجاڑ نظر آئی۔ اپنی چھت پر کیا دیکھا کہ کلسی ایکلی چھتری پر
 بیٹھی ہے۔ مکڑی اک چھت سے اٹھ کر ہوا میں بکھر گئی ہے، مگم کر دہ راہ قافلہ کی طرح آسمانی
 اہوں میں بھیک کی ہے۔ اتنے میں گھوڑا اپنا گلی سے نکل دوسرا راہ مرٹ گیا۔ وہ ملی
 گلی، وہ درودیوار، وہ بام بلند، وہ اپنے کو بھٹے کی اوپنجی چھتری سارا سماں آنکھوں سے
 او جھل ہو گیا۔

میں گلی سے نکل بازار خاص کی طرف چلا۔ پچھوں پچ سڑک کے، کتا ایک بیٹھا اونگھنا

نخا۔ میر سکھوڑے کی ٹالپوں پر اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ مبے دلی سے اٹھا اور سڑک کے کنارے ہوا۔ ایک گلی میں ٹالیا۔ آگے کوڈل کی ایک ٹکڑی سڑک کے وسط میں مرگشتبیاں کرتی تھیں۔ سکھوڑے کو سر پر دیکھ کر وہ آہستہ سے اڑی اور ٹالپوں کی زد سے ہٹ کر پھر سڑک پر اُتھ پڑی۔ بندوقوں کی آواز کبھی دور سے کبھی قریب سے سنائی دیتی۔ بہت سور کی آواز گان میں آتی، پھر سناٹا چھا جاتا۔ دفعتاً سڑک کے آخری کنارے پہ گردانٹتی دکھائی دیتی۔ ٹالپوں کا سور گو سخما۔ گردانٹتی، کوئی اکیلا سوار سرپٹ دوڑتا آتا، پاس سے تیر کی طرح گزر جاتا اور پھر سڑک بھاٹیں بھاٹیں کرنے لگتی۔ در پیچے اک دراکھلتی، جالیوں کے پیچے سہمی ہونی آنکھیں پر لیثیاں صورتیں ایک جملک دکھائیں اور اوہ جمل ہو جاتیں۔

بازار خاص سے نکل میں چھوٹی درگاہ پہ پہنچا۔ سکھوڑے کو باہر باندھا، جو نیاں سیر ڈھیوں پر آتاریں اور بحدا حترام اندر داخل ہو اس میں قدم رکھا تھا کہ سنگ مرمر کے حوض پہ نظر جا ڈکی۔ ایک غریب ہستی، سراسر تجلی، ہصرہ تھمل کا پیکر، کنارِ حوض تشریف فرمہ ہے اور وصویں مصروف ہے۔ دفعتاً ٹالپوں کے سور سے صحن گو سخن گیا اور ایک بلند قد کشاہ یدن سوار طاہر ہوا۔ ایک ہاتھ میں شمشیر بہمنہ، دوسری ہاتھ فرش کی پشت پر اسی نشست سے بیٹھے بغیر خم ہوئے۔ ہاتھ حوض میں ڈالا۔ چلو بھرا غریباً «اللٰہ دوں،» اس نورانی صورت نے کمال تھمل اور سکون سے اس کی حرف دیکھا۔ فرمایا «نمیں،» سوار نے چلو کہ مثل سمندر جوش کھاتا تھا آہستہ سے حوض میں خالی کر دیا۔ پھر ٹالپوں کے سور سے ساری درگاہ گو سخن گئی اور وفور تجلی سے میری آنکھیں چند جیا گئیں۔ دوسری ٹھرڑی نہ دہ نورانی صورت تھی نہ سوار تھا، مرمر میں حوض مثل چشم پر آب چھلکتا تھا۔

اس معجزے کی چکا چوندا آنکھوں میں لئے، عقیدت کا ایک سمندر سینے میں سنبھالے، اللٰہ پاؤں وہاں سے واپس ہو رکاب میں پاؤں رکھا اور سکھوڑے کو ایڑدی۔ گلی کوچے اسی طرح ہو جت کرتے ہوئے بازاروں کے مرتفعے بکھرے ہوئے۔ ایک کوچے میں تراہیگی

کو سوا پایا۔ دکانیں بہت سی بند ہیں جو بند نہیں وہ بند ہوتی ہیں۔ ان میں اشیائے قیمتی بھی ہیں، پر نہ دکاندار نہ خریدار۔ خوب سخے اٹھتے ہیں، پچھری والے رام سے ٹلتے ہیں۔ اہل محلہ گھروں میں بند ہوتے ہیں یا یوں نکلتے ہیں گویا بھوسچال میں گھر چھوڑ کر بھاگتے ہیں ساوبنے دروازے میں ایسی لشان پچاہک دھاڑ دھاڑ کھلتے ہیں بند ہوتے ہیں اور نکلنے والے سرستے کفن باندھ کر نیام تلواروں کے توڑ کر باہر نکلتے ہیں اور جمیع ہوتے شکر میں شامل ہوتے ہیں۔ اس شکر میں بہت زنگ دیکھے کسی سرپ خود رکھا ہے، کسی سرپ عمادہ سمجھا ہے۔ کوئی دوپتو ٹوپی پہننے ہے، کوئی ننگے سر نکل آبائے تلواروں والے تلوار کھاتے ہیں، نیزے والے نیزے ہلاتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں کہ نہ نیزہ نہ تلوار، چار پانی کی پیٹ اٹھائے چلے آتے ہیں اور گزر کر اس اسے جانتے ہیں۔ کسی کسی ہاتھ میں خالی چکنی نظر آئی۔ کسی نے غلبیں اٹھائی، غلے جیبوں میں بھرے اور نکل پڑا۔ زینت برگستان سے آزاد اس شکر پر کہ مثل کف بھرے سمند کے ابلتا تھا عور کرتا تھا کہ ناگاہ وہی علم سبز لکھکتا ہوا نظر پڑا۔ ناقہ سوار نافہ پر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور پکارتا تھا کہ اسے گردہ مردم خبردار ہو کہ سیلا ب قم پر امنہ آیا۔ دن بولتا ہے اور تمہارے مرکبوں کو پکارتا ہے تمہارے مرکب تھانوں پر تڑپتے ہیں۔ ان کی پیشیں اپنے راکبوں کے لئے بے کل ہوتی ہیں۔

ان کلمات سے وہ ناؤ کھانا شکر ابل پڑا اور مانند ایک پڑے سیلا ب کے سور کرتا بھر نکلا۔ تب میں نے اپنے گھوڑے سے کو ایڈ دی اور اس ابلتے سور کرنے سیلا ب میں شامل ہو گیا۔ جمیع میں نگاہ چونکی اور سموں اور فدوں سے اٹھتی ہوئی گرد پردہ بن گئی۔ وہ سبز پوش ناقہ سوار نظروں سے او جھل ہوا۔ سامنے میدان کا رزار نظر آیا۔ لقارہ و غابر چوٹ پڑتی تھی۔ شہپور کی غریو سے آسمان ہلتا تھا۔ فرنا کی بہب صدا، جھا بخنوں کا ستور اطلیل کی فغاں۔ دشیوں کے گو بخنسے گھوڑوں کے دوڑنے سے بن کا پتتا تھا۔ عربی تر کی عراقی بیمنی کا بھیا دلکھنی قسم قسم کا رہوا جمیع تھا، باریک جلد، سینہ کشا دہ، مانند سر، ہاتھی ایک سے ایک

زبردست، اسونڈیں اور دمیں عضب سے احتیٰ ہوئیں تو پیس ان پر دھری ہو گئیں کہ گولہ ان سے اڑ کر چرخ پہ جاتا تھا اور آسمان میں شکاف ڈالتا تھا۔ ہائیکوں میں ایک ہائی بہت سجا بنا نظر آیا، سونڈ رنگی ہوئی، منک نقش و نگار سے سجا ہوا، جھولیں زرا لفست کی، ر سے کلابتون کے زنجیریں طلا فی، عماری نفری۔ اس نفری عماری میں وہ ملکہ بصد و قار نشریں فرمائی جس کے چہرے کی صنو سے وہ دشت پر آشوب عرش بناتھا۔ زین پہ عنبر سارا کافرن، بچھا تھا اور جنگل اس عطر تن کی خوشبو سے ہمکتا تھا۔ رو برو طوطا چاندی کے پنجھے میں بند بیٹھا ہوا۔ گرد اس کے ماہتاب کے ستاروں کا حلقة گوری گوری صورتوں کا جمیع کوئی سورج پھیل سے گھس رانی کرتی ہے کوئی مپنکھا جھلتی ہے، کسی نے گلاب پاش کھولا ہے اور زخمی غازیوں پر چھپڑ کا ہے ار گرد آس پاس سقے کھار دے کی لنگیاں لئے گھوٹتے ہیں۔ ہر صرف میں جاتے ہیں پیاسے مجاہدوں کو نژادت پلاتے ہیں، بر قاب کا چھڑکاڑ کرتے ہیں۔

عماری پہ بلند ستاروں میں سے ایک ستارے پر اپنی نظر مٹھکی کہ ہائی شہزاد محل کر دفتیاً گولا ایک ہائی کے برابر اکر گرا۔ عنبار اور دھوئیں میں سب کچھ چھپ گیا۔ ہائی بگڑا، سورج چکھرا۔ دیکھتے دیکھتے اعدا نے فلک مرتب سواری کے گرد گھیرا ڈالا۔ میں نے نیام سے شمشیر کالی اور گھوڑے کو آگے بڑھا سواری کے برابر ہولیا۔ محتواز سے جانشار غازی آگے آئے۔ چھر تو وہ رن بڑا کہ ساری فوج صورت گرداب چکر میں آئی۔ صحنیں موجود کی مثال ایک دوسرے پہ گزیں، دریاۓ خون نے سیلا بکیا۔ اس فریبا نشان سواری کے گرد بہت خون بہا اور اس شمع پر سے بہت پروانے نثار ہوئے۔ دشمن کو ہم نے قریب پہنچنے نہ دیا۔ اور اس آرام سے سواری کو رن سے نکال کر لائے کہ کبزیوں کے گورے ہائتوں میں مخلیں اسی طور گردش کرتی رہیں، عطر دان پانداں کھلے رہے ہے کہ نہ کوئی عطر کی شیشی شکست ہوئی نہ کھنچے چونے کی لکھیاں خلط ملٹے، موئیں اور جناب عالیہ کے دست۔ سیمیں میں نفری کٹوڑا

کھوڑ سے زعفران کے شربت سے ببابب بھرا جوں کا توں رہا کہ قطرہ شربت کا پوششک مبارک
پہ نہ ٹکا۔

رن میں تن بدن کا ہوش کہاں تھا۔ وہاں سے نکلے تو اپنے حال پر نظر کی۔ بدن زخموں سے
چوراہو میں فنر الورڈ کیجاں لقاہت طاری ہونے لگی۔ رکابوں میں قدم ڈھیلے پڑ گئے۔ ماٹھ سے
باگ چھوٹنے لگی۔ نیم عنشی کے عالم میں میں نے خسوس کیا کہ کوئی مجھے سہارا دیتا ہے پھر اردو گرد
کی چیزیں دھنڈلاتی چلی گیں۔ ہوش و حواس پہ آک پر دہ بڑھتا چلا گیا۔

جانے میں کتنی دریغش رہا۔ جب ہوتی آیا تورات ہوئی تھی۔ جھکتے سنندالوں میں
موی شمعیں روشن تھیں۔ سونے چاندی کی منطلوں میں عینہ و عود جلتے تھے۔ ساگر والوں میں
اگر تبیاں سلکتی تھیں۔ فقط ایسی چنگا ریاں تھیں کی نوکوں پر دکتی ہوئی، تھکتے دھوکیں کی
نیلی سرمنی دھاریاں بل کھاتیاں ان سے نکلتی ہوئی تھے لخنخ سنگھایا جاتا۔ گلاب منہ پر
چھڑ کا جاتا تھا۔ خوشبو میں رنگا زنگ دماغ میں چڑھی تھیں۔ بدن میں ایسی تھیں۔ مگر ان
سب سے بڑھ کر نہ کہ اس عطر تن کی تھی جس کے خملیں زانو پر سر تمارا لکا تھا لمبی نرم
انگلیاں پیشانی کو جھوٹی تھیں، پھر بالوں میں سرسر لئے لگتی تھیں۔ ان انگلیوں کی گردش نے
یہ عمل کیا کہ جیدار ہوتے۔ حواس پہ پھر غنوادگی کا پر دہ چڑھنے لگا۔ زخموں سے ڈھال جسم کو
اس سے بہت سکھ ملا۔ سارے بدن میں ایک نیند بھری شیریں رو سر راتی تھی۔ جی چاہا کہ
اس میٹھے خملیں زانو پر سر یونہی ٹکارہے اور بدن میں وہ نیند بھری شیریں رو اسی طرح
سر سر اتی رہے، ہوش و آگئی پہ چھا جائے، انہیں بہا کرے جائے مگر اسی آشنا میں اس نے
خادمہ کو پکارا۔ اس نے ہر طریقہ کر آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھا کہ شہزاد محل سرمانے میٹھی ہے،
دستِ حنائی سے پنکھا جھلکتی ہے، گلاب پاش سے بار بار عرق میرے چہرے پر چھڑا کتی ہے۔
میں مارے گھر ہٹ کے اٹھا چاہتا تھا کہ اس نے آہستہ سے میرا سر تھاما اور چھر زانو پر کھے
لیا۔ ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ میری آنکھوں میں غیر متوقع وصال کی خوشی اور حیرت کے

سو ابھی کچھ سوال لئتے۔ اس نے ان سوالوں کامنہ سے کچھ جواب نہ دیا۔ بس اس کی آنکھ بھرائی۔ میں اس معموم چہرے اور بھری آنکھ کی تاب نہ لاسکا اور امکیں بند کر لیں۔ عجیب و سو سے اور واہے دل و دماغ میں منڈلانے لگے۔

”تمہارے والد صاحب، وہ رک گئی بلوٹنے سے پہلے ہی اس کی آواز نہ چھنے

لگی تھی۔ اس نے تو قف کیا، پھر بھلی ہوئی آواز میں بولی ”تمہارے والد حضرت صبح کی نماز کے لئے ایسے گھر سے نکلے کہ پھر گھر نہیں آئے آج صبح بہت نمازی گھر والپس نہیں آئے۔ کیسی کیسی وحشت ناک جنڑیں اور بدشگنی کے سلسلے سننے میں آئے۔ کوئی کہتا تھا کہ مسجد کے مینار سرگاؤں میں اور صحنِ مسجد میں نمازوں کا حزن ہتا ہے کوئی خبر لا یا کہ ایک ناقہ سوار سبز پوش آئے تھے۔ نمازوں کو ان کی وجہ سے جاتے دیکھا تھا۔ بدشگنی کے سلسلے ایسے منہ سے نکلے کہ جونہ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ گلی کے پھروارے تو پیں و غنے لگیں ہو جیسا کہ گرے لگیں۔ بابا جان نے سادے کتبہ کو ساتھ لیا، تمہارے گھر گئے خالہ حضرت کو ہمراہ لیا اور بھری جویلی پھروار نکلی پڑی۔ ایسی بد حواسی میں نکلے کہ کوئی سامان ساتھ نہ لیا تھا۔ قن میاں نے پنجرا طوطے کا ضرور ساتھ لیا تھا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ تو قف کیا، پھر گویا ہوئی۔

”بس نقدم لے کر چلے ہتھے لیکن اس نقدم کو بھی بجا کرنے لاسکے۔ کلموں نے گوروں کی پیڈٹن گھم گھم گلی میں گھس آئی اور ان کی گولیوں سے بھاڑ میں چنے سے بھٹنے لگے۔ میں کم ختنی ماری دکھیاری ہوں کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی رہے تین بدن کا ہوش نہ کپڑے لئے کی سدھ، بھاگتے میں چادر بھی اتر گئی۔ مجھ بد لضیب کو ابھی اور دن دیکھنے تھے کہ شاہی خادم نے جو جناب عالیہ کے مراج اقدس کا حال لے کر بابا جان کے پاس حاضر ہوا کرتا تھا۔ آج بھی اسی غائبت سے اس طرف آتا تھا، مجھے دیکھے پایا کمال شفقت سے میرا ہاتھ پکڑا اور جناب عالیہ کی خدمت میں گھر یہ کرتا ہے نہیں۔ اس نے اپنا حمامہ ز میں پہ پھینک دیا اور کہا کہ اے جناب عالیہ میرے ماں باپ آپ پر سے فدا ہوں

وہ حکیم دانا فخر الاطباء اور سلطان طالبیں زماں، جا بیسوس دوراں، نبا ض حضور کامز ارج داں
مزاج پر نور کا آج زمانے سے اٹھ گیا۔ جام شہادت نوش کر گیا۔ اس کی یہ دختر بدرا خنزیر
بے مقنع و چادر گھر سے بے گھر ہوئی ہے، نرغہ اعداء سے پنج نکلی ہے۔ خادم دولت نے
اسے سر برہنہ باحال پریشان بھلکتے دیکھا۔ اسے لصہ تو تیرہ مراد لایا اور حضور میں فلک جانب کی
پیش کر دیا۔

جانب عالیہ یہ خبر سن ملوں ہوئیں، بندی کو شفقت کی نظر سے دیکھا، سر پر ہاتھ پھرا
اور اپنی کنیزی میں لے لیا، بولتے بولتے وہ چپ ہو گئی۔ اس کی آواز بھر انے لگی بھتی پھر میں
نے لیٹے لیٹے آنکھیں بند کئے تھے میں کہ جس زانو پر اپنا سر رکھا ہے، اس کے جسم کی
پوری عمارت گویا بھوپھال سے ہل گئی ہے بھرا لیک گرم آنسو ٹپ سے میری پیشا فی پر
گرا میری ہتھ پڑھی کہ آنکھیں کھول کر دکھیوں۔ آنکھیں بند کئے دم سادھے لیٹا رہے وہ
زیبا عمارت ہلتی رہی اور میں دم سادھے آنکھیں بند کئے چپ لیٹا رہا۔

صحیح ہوئی تو میں نے اپنی جوتی پر جوتی سوار دکھی۔ ماتھا ٹھنکا کہ اللہ خیر کرے اب کیا
سامنے آتا ہے اور چرخ کچ رفتارہ بھیں کن جنگلوں اور دیسیوں میں پھرا تا ہے۔ اتنے میں
شہزاد محل تشویش سے بولی کہ الہی خبر میری یا نہیں آنکھ کیوں بھڑکتی ہے۔ میں نے اس
کی طرف اس نے میری طرف دیکھا۔ دونوں طرف آنکھوں میں تشویش بھتی اور آنکھوں کی
پنیلوں سے پرے ذہن کے کسی پرے میں گنم اندیشہ مہم وسو سے منظر لا
رہے تھے۔

جب ہم نے ار د گر د نظر ڈالی تو چاروں طرف ادا سی کا سماں نظر آیا۔ خدام شی
خاموش غمگین کنیزیں خواصیں چپ چاپ ادا سی کوئی زبرد سخداں چھڑی کھے
کسی دور کے خیال میں گم ہو گئی ہے۔ کوئی نرگس اس باد بیدہ جیراں کھڑی کی کھڑی رہ گئی ہے
کوئی سر نیوڑھاٹے چپ بھٹی ہے، کوئی آہ سرد بھرتی ہے۔ کسی کی آنکھوں میں گرم گرم

آن سوراں ہیں۔ استفسار کیا تو پتہ چلا کہ جناب عالیہ نے خواب میں سلطان عالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ اس وقت سے صورتِ آنکھوں میں پھر تی ہے، یادِ سلطان کی ستائی ہے جناب عالیہ کو دیکھ کر نندگان عالیٰ بھی ادا کس و فکرِ مند ہوئے ہیں اور سلطان عالم کو یاد کرتے ہیں۔

جب جناب عالیہ نے سلطان عالیٰ کی یاد میں ہنسنے بولنے سے کنارہ کیا اور کھانا پینا ترک کیا تو مٹھونے زبان کھولی دحق اللہ، پاک ذات اللہ، صحیح تو خدا، خدا کا رسول تو غافل نہ ہو خدا کو نہ بھول۔ جگ جگ جیا کرو نام نبی کا لیسا کرو۔ اُنھوں فقیرِ ہلِ کم کو سے

ان فی المجنۃ قصر لین لعلی ولزہر الحسین حسن

بی بی کا میٹھو، بیگم کا میٹھو یوں عرض کرتا ہے کہ بیان سے مشرق میں برس دن کی راہ ایک گھنا جنگل ہے جنگل سے پر سے دریا ہے، دریا سے پر سے ہمند رہے۔ ہمند کے کنارے ایک بند ہے، وہاں فریگیوں کا ڈیر ہے، دشمنوں کا گھیرا ہے۔ شہر کے یہ چوپان نیج ایک برج بلند مٹی کا بنایا ہے۔ اس برج کے اندر ایک باغ ہے باغ میں سرفکا ایک شجر ہے۔ برد کے شاخوں میں ایک قفس آہنی کہ میرے قفس سے بہت مفبوط طبلہ ہے اس میں ہمارے سلطان ذی شان عالیٰ مقام مثل اپنے میٹھو کے مقید ہیں اور وقت کا انتظار کرنے ہیں کہ کب قفس کی تیلیاں ٹوٹیں اور کب سوئے وطن مراجعت فرمائیں اور درود بوار کو اپنے درود سے معطر و معنبر فرمائیں۔

جناب عالیہ نے طوطے کی زبان سے یہ کلمات گئنے تو دل سینے میں طائر کی طرح پھر طکا اور عقل کے طوطے اڑا سفر پر روانہ ہوئیں۔ وہ طائر ہمہ داں و جانور سحر بیان پھر چھما یا رحم اللہ یا ک ذات اللہ، صحیح تو خدا، خدا کا رسول۔ تو غافل نہ ہو خدا کو نہ جھوں، سے ملکہ نہ لے۔ طائر ہمیں بدن یہ عرض کرنے کی جرات کرے کہ اس سفر اور

سفر کی صورت ایک ہے۔ رنج سفر مصائب شہر بشر قسمت میں لکھے جائیں گے کوچہ گردی
بادیہ پیمائی دشت نور دی حضور کا نصیب ہو گی اور منزل موہوم، انجام معلوم کرنے پر یاد
بندوقوں اور طمیخوں سے لیس بارہ بارہ چوبیں گھنٹے بارع کے ارد گرد پھرہ دیتے ہیں۔
اور آدمی تو کیا پرند کی مجال نہیں کہ اس بارع میں پرار جائے۔

خدمات نے طائر کی زبان سے یہ کلام سُنا تو دہائی دی کہ قیامت ہے کہ آگے
سلطان عالی گئے۔ اب ملکہ عالیہ جانے پر تیار بیٹھی ہیں۔ شوکت سلطان کی رحمت ہو گئی۔
اب زینت سلطنت کی رحمت ہوتی۔ شہر میں خدر پڑے گا۔ اندھیرہ ہو جائے گا۔ پھر کیا تھا
شہر کے کوچے میں خیرگشت کر گئی کہ آج رونق شہر کی رحمت ہے۔ زینت سلطنت کی
فرقہت ہے۔ ملکہ عالیہ کا شہر سے سفر ہے بستی کے اجرٹے کی خبر ہے۔ سینکڑوں مردوزن
پریو جواں بینہ زنان اشک فشاں ہمراہ ہوئے غربیب الوطی پر تیار ہوئے۔ غازی مکبوں
پر زیوں کو رکھ، عمامہ مروں پر باندھ، عبا میں دوش پر ڈال، ہتھیاروں سے آراستہ ہو نقد
جاں لٹکنے پر سفر میں مر جانے پر تیار ہوئے۔

اس ہنگام میں مجھے والد حضرت کافول دربا بنت ہمسفری طائر یاد تھا اور جناب عالیہ
کی خدمت میں حاضر ہو یوں عرض پرداز ہوا کہ ملکہ عالم سفر پر خطرا اور منزل دور ہے۔
گھات میں ہے۔ کلینیاں محلہ محلہ پھر تی ہیں اور سواری اقدس کی نقل و حرکت کی ٹوہ لیتی پھر تی
ہیں۔ بیغل میں جاسوس ہیں صفوں میں خدار ہیں کہ گھڑی گھڑی کی خبرا عدا کو پہنچاتے ہیں۔
پس اس سفر میں اختیاط لازم ہے خادم دولت کو اجازت ملے کہ وہ آگے روانہ ہو، طوطا
اس کا رہنمایا ہو۔ راہموں کے نشیب و فراز دیکھتا چلے، اوپنج کی خبریں دبدبھینجا ہے
ملکہ عالیہ کو یہ تجویز بہت بھائی۔ فوراً قلمدان منگا ایک شقہ سلطان عالی مقام
کے نام لکھا اور موتیوں کے درمیان رکھ روماں ایک شہنم کا اور پلیٹ ہمراہ انگو بھٹی کا فی
چھنگلیما کی بیٹور لشا فی ساتھ میں رکھ بندے کے پرداز کی۔ میں ملکہ عالیہ سے رحمت یہ شزاد

محل کے پاس گیا۔ لیکن اس کے سامنے جاتے ہی میرے ہونٹ سل گئے۔ بہت ہمی باندھی مگر یہ خبر سنانے کی تاب اپنے میں نہ پائی۔ اس نے بھے اس تذبذب میں بنتلا دیکھا تو خود ہی کر دیا۔ تب میں نے جھوکتے جھوکتے اس پہاڑا عزم سفر طاہر کیا۔ منہ سے وہ کچھ نہ بولی مالمتہ جھر سے کا زنگ پیلا ہلدی پڑ گیا۔ دیر وہ چکی بیجھی رہی۔ میری بھی بولنے کی محنت نہ پڑی، پھر وہ بھرا ہٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

گھر انی بھرا تی وہ بے سبب بے مقصد صحن میں صحن سے دالان میں دالان سے کمرے میں پھرتی رہی۔ دبی زبان سے کئی بار کہا ”الہی خیر کرے صحیح سے باہیں آنکھ پھر کتی ہے“ تب ایک کنیز نے ٹوکا ڈبی بی چلتے وقت بنسکنی کا کلمہ منہ سے نہیں نکالتے، اس سرزنش پر وہ بخوب ہوئی۔ تب اس نے مت مانی کہ خیریت سے واپس آؤ گے تو جھوٹے حضرت کی حاضری کھلاویں گی، سونے کا علم چڑھاؤں گی۔ چھراس نے چاندی کا روپیہ لے کر شبدِ نعم کی درجی میں لپٹا اور میرے بازو سے باندھا۔ بولی ”امام ضامن کی ضامنی میں دیا۔ جیسے پیٹھ دھاتے ہو دیسے صورت بھی دکھائیو“، اور اس کی آواز بھرا گئی۔ میں نے بتے تاب ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ روپڑی تباہ من صبیط میرے ہاتھ سے بال محل چھوٹ گیا۔ میں نے بتے تابانہ بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔ سینے سے لگانا قهر ہوا۔ اس نے میرے شانے پر سر کھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ان گرم اشکوں نے میری آنٹنی محبت کو اور بھڑک کا بیا اور میں نے بے صبیط ہوا اشکوں کی دھاروں سے بھیگے رخساروں پر ہونٹ رکھ دیے۔ وقت وداع اس وفا شعار نے میری رکاب تھام لی۔ میں دیر اس کی زلفوں میں انگلیاں بھیرتا رہا کہ زلفوں سے بھٹک کر سب میں گردن پڑا۔ کلام رخساروں پر پنکھڑی لبوں پر بھٹک بھٹک گئے اور میرا دماغ اس سمن بو عطر پیر ہن کی خوشبو سے بس گیا۔ ایک نشہ کے عالم میں میں نے رہوار کو ایڑ دی اور سفر پر گامزن ہوا۔

سنتر سے نکلتے نکلتے سامنے اپنا چاند افی گورستان نظر آیا۔ معا خیال آیا کہ آج ہم اجداد